خان بہادر مولوی خدا بخش خان

عبادت کا تصور

(تورات اور زبور کی روشنی میں)

[مسلم برصغیر کی فکری تاریخ کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ مسیحی مبشرین کی آمد اور ان کی تبشیری سرگرمیوں کے نتیجے میں مسلم اہل دانش کے ہاں ''کتاب مقدس'' سے اعتناء میں اضافہ ہوا۔ اگر چہ مسلم اہل دانش کا زیادہ زور اس پہلو پر رہا کہ مسیحی مبشرین کو میدانِ مناظرہ میں شکست دے کر ان کی پیش رفت روک دی جائے، تاہم ''کتاب مقدس'' کے مطالعے سے مسلم اہل دانش کے ہاں ''تقابلِ ادیان'' کی روایت کو تقویت حاصل ہوئی ہے۔ متعدد اہل علم نے اسلامی تعلیمات کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے دوسرے مذاہب کی مماثل تعلیمات پر روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں خان بہادر مولوی خدا بخش خان کے ایک لیکچر کا ابتدائی حصہ نقل کیا جاتا ہے۔ اگر چہ لیکچر کا موضوع ''سورہ فاتحہ'' اور ''سورہ اخلاص'' کی تفسیر و تشریح ہے، مگر مصنف نے بطور تمہید ''تورات'' اور ''زبور'' میں عبادت کے تصور کا مختصر جائزہ لینا مناسب خیال کیا ہے۔

خان بہادر مولوی خدا بخش خان کو اپنی ''کتاب دوستی'' کی وجہ سے دنیا بھر میں شہرت حاصل ہے۔ وہ ۲ اگست ۱۸۴۲ء میں چھپرہ (بہار) کے ایک علم دوست خانوادے میں پیدا ہوئے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اس خانوادے کے ایک فرد قاضی ہیبت اللہ نے ''فتاویٰ عالمگیری'' کی ترتیب و تدوین میں حصہ لیا تھا۔ مولوی خدا بخش خان نے رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، ۱۸۵۴ء میں ہائی سکول پٹنہ میں داخل ہوئے، ۱۸۶۱ء میں میٹرک کا امتحان پاس کر کے

''پیش کاری'' کی ملازمت اختیار کر لی۔ کچھ عرصہ بعد ملازمت ترک کر کے ''ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولز'' کے عہدے پر مامور ہو گئے۔ ایک سال بعد یہ ملازمت بھی چھوڑ دی اور قانون پڑھنے لگے، اور ضروری امتحان پاس کر کے وکالت کرنے لگے۔ ۱۸۹۴ء سے ۱۸۹۸ء تک حیدر آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس رہے۔ ۶۶ برس اور ایک دن کی عمر پا کر ۳ اگست ۱۹۰۸ء کو فوت ہوئے۔

مولوی خدا بخش خان کے والد مولوی محمد بخش ایک اوسط درجے کے وکیل تھے، مگر کتابوں کے از حد دلدادہ تھے۔ ۱۸۷۶ء میں جب ان کا انتقال ہوا تو اُن کے پاس چودہ سو کتابیں موجود تھیں جن میں سے اکثر قلمی تھیں۔ اُن کی وفات کے بعد مولوی خدا بخش خان نے ذخیرۂ کتب میں خوب اضافہ کیا، اور ۱۸۹۰ء میں اسے ''عوامی'' کتب خانے کی حیثیت سے وقف کر دیا۔ آج یہ کتب خانہ برصغیر ہی کے نہیں، بلکہ پوری دنیا کے اہم مشرقی کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔

مولوی خدا بخش خان سے کوئی زیادہ تحریری سرمایہ یادگار نہیں۔ اُن کے جس کتابچے ''لیکچر متضمن [بہ] تفسیر سورہ فاتحہ [و] سورہ اخلاص'' سے اقتباس دیا جا رہا ہے، وہ مطبع ''مقنن دکن۔ حیدر آباد'' سے شائع ہوا تھا۔ کتابچے پر تاریخ اشاعت درج نہیں، البتہ ''سورہ اخلاص'' کی تفسیر سے پہلے لکھا گیا ہے:

> چند روز قبل اِس جلسہ میں جناب شمس العلماء مولوی محمد شبلی صاحب نے ---بعضے مضامین عالیہ قرآنی پر ایک خطبہ بلیغ ارشاد فرمایا تھا۔

مولانا شبلی نعمانی ۱۸۹۶ء میں حیدر آباد دکن گئے تھے، جب سرکار آصفیہ نے اُن کے لیے ایک سو روپیہ کلدار ماہانہ وظیفہ منظور کیا تھا۔ اس موقع پر ۱۱ ربیع الاوّل ۱۳۱۴ھ/ ۲۰ اگست ۱۸۹۶ء کو مولوی خدا بخش خان کی صدارت میں اہل حیدر آباد نے مولانا شبلی کے اعزاز میں ایک جلسے کا اہتمام کیا تھا۔ اس جلسے میں مولانا شبلی نے ''مضامین عالیہ قرآنی'' پر خطبہ دیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں مولوی خدا بخش خان کا کتابچہ اگست ۱۸۹۶ء کے بعد اور اُن کی ملازمت کے اختتام (۱۹۹۸ء)

سے پہلے کسی وقت شائع ہوا، کیوں کہ کتابچے کے سرورق پر اُنہیں ''چیف جسٹس ہائی کورٹ، حیدر آباد دکن'' لکھا گیا ہے۔

مولوی خدا بخش خان کے ''لیکچر'' کے جس نسخے سے ذیل میں اقتباس نقل کیا جارہا ہے۔ اِس کے بعض الفاظ پڑھے نہیں جا سکے، اِس لیے ہمیں ایک دو جگہ قیاساً الفاظ لکھنے پڑھے ہیں، تاہم ہمارے اضافہ شدہ یا تصحیح شدہ الفاظ حوضین میں درج کیے گئے ہیں۔ مدیر]

جو لوگ فلسفیانہ خیالات رکھتے ہیں، یعنی وہ طبائع کہ جو ہمیشہ اصل کی تفتیش کرتے ہیں، ان پر بخوبی ظاہر ہے کہ حالات وتغیّرات انسانی کے دریافت کرنے کے لیے صرف تین جگہوں کی تاریخیں درکار ہیں۔ تاریخِ یونان، تاریخِ بنی اسرائیل اور تاریخِ روما، اور انہیں تین قوموں کی تاریخوں سے ترقیاتِ علم وہنر کے پتے لگتے ہیں۔ اس وقت کے جس قدر فنون، ہنر، فلسفہ متعلق سیاست مدن وتدبیر منزل پائے جاتے ہیں، ان سب کی بناء یونان، روما اور جودیا کی تاریخ سے ملتی ہے، مگر عجیب امر یہ ہے کہ یونانیوں میں باوجود ترقیات علمی کے ٹھیک خداپرستی نہیں آئی۔ [اُن کی تعمیلِ] ارکان مذہب ایک قسم کی تفریح قومی تھی اور یہی حالت رومیوں کی بھی تھی، مگر خداپرستی کا وجود اولاً اس قوم بنی اسرائیل میں پیدا ہوا۔ رینن (Renan) کا قول یہ ہے کہ ---قبل حضرت عیسٰی کے خداپرستی کی طرف توجہ بہت زور شور سے بنی اسرائیل کو تھی۔ اور پیغمبران بنی اسرائیل اشاعت واعلانِ خداپرستی میں بہترین کوششیں کرتے تھے۔ اس وقت جو تورات وزبور ہم لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں، اُن سے طریقہ پرستش او تعالیٰ صاف طور سے پایا نہیں جاتا، مگر دیکھنے سے ان کے اس قدر بخوبی ظاہر ہے کہ پرستش جناب باری تعالیٰ تھی اور توحید بھی تھی، مگر یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ محض ابتدائی حالت تھی اور خیالات عالی اور بلند کو وہ تکملہ نہیں ہوا تھا جو فرقان مجید کے ذریعے سے پرستش جناب باری تعالیٰ کا ہوا۔ اور توحید بالعبودیت کی تکمیل بھی کی گئی، تسبیح وتہلیل تھی

اور یہ تسبیح وتہلیل ساتھ نغمہ وساز کے پائی جاتی ہے۔

انگریزی میں جو ترجمے تورات اور زبور کے ہیں، ان میں دو لفظ اکثر استعمال کیے جاتے ہیں، یعنی ''ہم'' (Hymn) اور ''سام'' (psalm)۔ ''ہم'' کے معنی تسبیحات یا بحث ہیں اور ''سام'' کے معنی مزامیر کے۔ چنانچہ زبور کا ایک حصہ مزامیر داؤد ہے۔ ''ہمس'' (Hymns) نغمہ ہائے مقدس ہیں جن کے ساتھ موسیقی کا برتاؤ ہوتا ہے اور یہ قدیم زمانہ سے چلے آتے ہیں، اور قبل وبعد ولادت حضرت عیسیٰؑ کے اس قسم کے نغمے اور مزامیر عبادت تھے، اور مؤرخین کی تحقیقات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اولاً جو نغمہ سرائی عبادت کے ساتھ کی گئی ہے، وہ حضرت مریم بہن حضرت ہارون کی بعد مصر سے خلاصی پانے کے ہے، اور ان کے ساتھ دف بجاتی ہوئی اور لڑکیاں بھی بنی اسرائیل کی شامل ہوئیں تھیں۔ بعد اس کے یہ نغمہ سرائی حضرت داؤدؑ نے کی، اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل کی لڑکیاں اس کارروائی میں شامل تھیں۔ اس طرح مزامیر داؤدؑ ہمیشہ ساتھ نغمہ کے گائے جاتے تھے۔ جب معبد بیت المقدس کا جس کے ساتھ انٹیاکس اپی فینس Antiochus (Epiphanes نے بے ادبیاں کی تھیں، ساتھ معبود اصلی کے خاص کیا گیا، اس وقت بھی یہی مزامیر ساتھ نغموں کے گائے گئے تھے، یہ رواج برابر جاری تھا، یہاں تک کہ جس شب کو حضرت عیسیٰؑ گرفتار ہوئے ہیں، خود انہوں نے بعد کھانا کھانے کے مزامیر نمبر ۱۱۳، نمبر ۱۱۴ و نمبر ۱۱۸ کو حسب قول علمائے نصرانی اپنی آخری عبادت میں [پڑھے تھے]۔

مزامیر سیمین (Simon) اور اقوال حضرت زکریاؑ مقدس مزامیر سمجھے جاتے ہیں۔ نصرانی علماء اور اہل مذہب نے بہت سے مزامیر اس قسم کے ترتیب دیے ہیں اور اس وقت وہی مزامیر گرجوں میں پیانو (piano) کے ساتھ گائے جاتے ہیں۔ دوسری صدی میں حضرت عیسیٰؑ کے بھی اس قسم کے نغمے گائے گئے، مگر ایک شخص جس کا نام پال (Paul) تھا، اس نے نغمہ سرائیوں کو روکا، مگر Council of Antioch یعنی انطاکیہ [کی کونسل] نے جو ۲۶۹ء میں [ہوئی تھی]، اس کی مزاحمت

کوناجائز سمجھا، مگر بعد کی کونسل نے جو لیوڈیسیا(Leodicia) میں ہوا[کذا، ہوئی]، یہ تجویز کی کہ عموماً اشخاص جو مزامیر ترتیب دیں، وہ قابل استعمال نہیں ہیں۔ Greek Church یعنی یونانی نصرانیوں میں جو ''ہمس'' اس وقت گائے جاتے ہیں، وہ آٹھویں اور نویں صدی عیسوی کے بنائے ہوئے ہیں اور Western Church یعنی مغربی عیسائیوں میں جو ہمس استعمال کیے جاتے ہیں، وہ ۲٦٨ء میں بنے ہیں، اور اس کے بعد اوروں نے اس پر افزود کیے۔ اس قسم کے ہمس کے مصنفین جو اب استعمال میں ہیں، بہت سے ہیں، اُن کی تفصیل کی حاجت نہیں۔ میں یہاں بطور نمونہ اقتباس کر کے پہلے اس مضمون کا ترجمہ کرتا ہوں جو حضرت مریم حضرت ہارون کی بہن نے گایا تھا، بعدہ بعضے مزامیرِ داؤد کے ترجمے کر دیتا ہوں، پھر اپنے مقصودِ اصلی سے بحث کروں گا۔

کتاب ''سفر'' باب ۱۵، فقرات ۲۰ و ۲۱ یوں ہیں: ''حضرت مریم نے جو بہن حضرت ہارون کی تھیں، دف اپنے ہاتھ میں لیا اور زنان بنی اسرائیل نے بھی دف ہاتھ میں لے کر ناچنا شروع کر دیا، اور حضرت مریم نے یہ کہہ کر گانا شروع کیا کہ اس خداوند کی حمد گانا چاہیے جو نہایت عظیم ہے، جس نے گھوڑوں اور ان کے سواروں کو دریا میں ڈبو دیا۔''

حضرت داؤد کے مزامیر ۱۴۹ ہیں اور بعضے روایت سے ۱۵۰۔ ان میں سے چوتھے مزامیر کا مضمون یہ ہے:

''جب ہم نے رجوع کیا، خدائے منصف نے ہماری طرف توجہ کیا۔ خدایا تو ہمیشہ ہماری مصیبت میں کام آیا۔ ہم پر رحم کر اور ہماری دعا کو سن۔ اے بنی آدم! کب تک تمہارے قلب سست رہیں گے اور کب تک تم نحوست کو پسند کرو گے۔ جانو اس بات کو کہ خداوند پاک عجیب ہے۔ جب ہم اُس سے فریاد کریں گے، وہ سنے گا---الخ''

چھٹا مزامیر یہ ہے: ''او خداوند! ملال سے ہماری چشم نمائی نہ کر اور نہ غصہ سے ہماری تنبیہ فرما، خدایا! ہم پر رحم کر، ہم کمزور ہیں ہم کو تندرست کر، ہماری روح کو سخت تکلیف ہے، خدایا! ہماری

طرف توجہ کر اور ہماری روح کو بچا، بہ تصدق اپنے رحم کے ہم کو بچا ---الخ"

مزامیر نمبر ۱۶: "خدایا ہماری سن اور ہماری دعا پر توجہ کر۔ یہ لب ہائے فریب آلودہ سے نہیں ہیں۔ ہمارا ٹھکانہ اپنی توجہ سے فرمادے ---الخ"

مزامیر نمبر ۱۱۳ و نمبر ۱۱۴ و نمبر ۱۱۸ وہ ہیں جو حضرت عیسیٰؑ نے بعد کھانا کھانے کے، تھوڑا قبل اس کے کہ وہ ہاتھ میں دشمنوں کے آویں، پڑھا تھا۔

مزامیر نمبر ۱۱۳: "حمد کرو خدا کی اے بنی آدم! اور ثنا کرو اُس کے نام کی، ہمیشہ نام خدا کا پاک ہے اور رہے گا۔ طلوع آفتاب سے غروب تک نام پاک کی خدا کے ثنا کرو ---الخ"

مزامیر نمبر ۱۱۴: "ہم نے اُس کو پیار کیا، کیوں کہ خدا ہماری دعا سنے گا۔ اس نے ہماری طرف توجہ فرمائی ہے اور ہم روزانہ اُس کو پکاریں گے۔ موت کے غم نے ہم کو گھیرا ہے اور خوف دوزخ ہے۔ ہم پر درد و غم لاحق ہیں اور ہم خدا کے نام کو پکارتے ہیں۔ خدایا! میری روح کو اس سے بچا۔ خدائے پاک رحیم و منصف ہے۔ ہمارے خدا ہم پر رحم کر ---الخ"

مزامیر نمبر ۱۱۸ اس ترتیب سے ہے کہ زبان عبرانی کے حروف تہجی کا ابتداء سے انتہا تک ایک ایک حرف بہ ترتیب ہر جملہ کے ابتداء میں آتا ہے۔

"خوشا بحال ان کے جو اُس خدا کی راہ میں چلتے ہیں اور اس کے احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ خوشا بحال اُن کا جو اس کے احکام کو ڈھونڈتے ہیں اور دل سے اُس کی تلاش کرتے ہیں --الخ"

ایسے ہی قریب قریب مضامین تمام اُن مزامیر میں ہیں۔ اگر کوئی شخص ان مزامیر کو پورے طور پر "صحیفہ سجادیہ" سے مقابلہ کرے جو منسوب حضرت زین العابدین سے ہے تو بے تکلف ان دعاؤں کو بہت کچھ ترقی کرتا ہوا پائے گا۔

اب وہ دعائے خاص جو حسب قول سینٹ میتھیو (Saint Matthew) حضرت عیسیٰؑ نے

فرمایا تھا، اُس کو [انجیل متی کے] باب نمبر چھ کے دفعات ۹ سے ۱۳ تک میں پائے گا۔ اُس کا مضمون یہ ہے: ''خدا سے یوں دعا مانگنی چاہیے۔ ہم لوگوں کا باپ جو آسمان میں ہے اُس کا نام پاک رہے۔ تیری سلطنت دنیا میں آئی اور تیری مرضی زمین پر ہوگی جیسا کہ آسمان پر ہے۔ ہم لوگوں کو آج کے دن روٹی دے۔ خدایا! ہمارے دیون معاف کر دے اور ہمارے مدیونوں کو معاف کر دے، ہوا وہوس سے بچا۔ برائیوں سے محفوظ رکھ۔'' سینٹ لیوک (Satthke) نے روٹی کا مفہوم رسم سکرامنت (Sacrament) کو سمجھا ہے۔

مجھ کو یہ بات بہ تحقیق ایک ایسے شخص سے معلوم ہوئی کہ جس نے برسوں نصرانیوں کے ساتھ عبادت کی ہے، کہ یہ جملے اس طرح سے ہر عبادت میں نصرانیوں کے شامل ہیں جیسا کہ سورہ فاتحہ ہم لوگوں کی نماز میں۔

ان مزامیر، خواہ ادعیہ میں جس لفظ سے چاہے تعبیر کیجیے، بڑا امر خیال کرنے کا یہ ہے کہ وسعت قدرت باری تعالیٰ کی ہر ہر خاص کام کے احاطہ میں ہے اور حاجتیں بھی خود محدود ہیں اور متعلق امور دُنیاوی سے ہیں۔ حالانکہ مقصود دعا کا احد کامل سے ہمیشہ طلب نعمت کامل ہے، نہ کوئی نعمت خاص۔ نعمتِ کامل اُس واحد کامل کی شناسائی اُس کی اور حفاظت نتیجہ نافرمانی سے اُس کی ہے۔ اس لیے جناب باری سے کہ جس کی وحدانیت کامل ہے اُس سے نعمت کامل کی طلب یہ ہے کہ وہ اپنے کو پہچنوا دے، اپنی راہ پر چلا دے اور--- گمراہی سے محفوظ رکھے تا کہ اُس کے غضب میں نہ پڑیں۔

اسلام نے عبادت سے غنا اٹھا دیا اور سماعت غنا عموماً ممتنع ہے۔ اس باب میں امام غزالی نے ایک مطول بحث کو اپنے دو بابوں میں منقسم کیا ہے۔ پہلے باب میں اباحتِ سماع اور اس کی حلت وحرمت کی حالتیں بیان کی ہیں۔ دوسرے باب میں آثارِ سماع اور اس کے آداب ہیں۔ اس تحریر کے احاطہ سے اس بحث کو طول باہر ہے، مگر مختصر سی وجہ عبادت سے غنا کے منقطع کر دیے جانے کی

بیان کی جاتی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ غنا تغذیہ روح ہے اور عمدہ خیالات والوں کے خیال کو اعلیٰ درجہ پر پہنچاتا ہے، لیکن جیسا کہ اچھے خیال والوں کی روحانی قوت کو بڑھاتا ہے، ویسے ہی شہوانی خیالات والوں کے خیالات کو ترقی دیتا ہے۔ حسب قول مولوی [روم]

آں چناں را آں چناں تر می کند

اور عبادت وصلوٰۃ میں تنقیح وتنقید مختلف طبائع کی مشکل تھی، اس لیے اس سے بالکل علیحدگی مناسب سمجھی گئی۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ گانا بھی ایک عمدہ فن ہے، کسی قدر عبادت وصلوٰۃ میں اس کا داخل ہونا عموماً مانع خضوع وخشوع ہوتا، اگرچہ خاص طبائع کے عبادت میں مفید پڑتا۔